شکیل عثمانی

غامدی صاحب کا جوابی بیانیہ، دستور پاکستان اور قادیانیت

حال ہی میں وطنِ عزیز کے ممتاز دانش ور، جناب جاوید احمد غامدی کا ایک مضمون ''اسلامی ریاست: ایک جوابی بیانیہ'' ان کے ماہنامہ ''اشراق'' لاہور اور چند دوسرے رسائل اور جرائد میں شائع ہوا ہے۔ موضوع کی اہمیت اور اپنے سنجیدہ اور علمی اندازِ بیان کے سبب یہ مضمون گہرے غور وفکر کا متقاضی ہے۔ اس لیے بھی کہ یہ ملک میں جاری اسلام اور سیکولرزم کی اُس کشمکش کی عکاسی کرتا ہے، جس کے دوررس نتائج ہوں گے۔ ذیل کی سطور میں مضمون کے صرف چند نکات کا اختصار سے جائزہ لیا جاتا ہے۔

اس مضمون کا اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ ''ریاست کا کوئی مذہب یا دین نہیں ہوتا۔'' ماضی میں بھی اس موضوع پر بحث ہوتی رہی ہے جس میں ''جوابی بیانیے'' کے مصنف کا نقطۂ نظر وہی رہا ہے جو پاکستان کے راسخ العقیدہ اسلامی مفکرین کا ہے۔ حوالے کے لیے ملاحظہ فرمائیے، ماہنامہ اشراق ستمبر 1988ء میں غامدی صاحب کا مضمون جو سابق صدر ضیاء الحق کی وفات کے تناظر میں لکھا گیا۔ قارئین کی سہولت کے لیے مضمون کا متعلقہ حصہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ (خط کشیدہ جملے خصوصی توجہ کے مستحق ہیں) ''صدر جنرل محمد ضیاء الحق بھی دنیا سے رخصت ہوگئے۔ ان کی وفات ہماری تاریخ کا ایک ناقابلِ فراموش سانحہ ہے۔ نفاذِ دین کے لیے جو حکمتِ عملی انہوں نے اپنے دورِ اقتدار میں اختیار کیے رکھی، مجھے اگرچہ اس سے سخت اختلاف تھا لیکن ابھی پچھلے ماہ میں نے جب ''شریعت آرڈیننس'' کے نفاذ کے بعد ان کی حکمت عملی پر تنقید لکھی تو اس میں یہ بھی لکھا:

''مجھے اس بات کا اعتراف کرنا چاہیے کہ وہ بہرحال اس ملک کی تاریخ میں پہلے سربراہِ مملکت ہیں جنہوں نے اسلام کے ساتھ اپنے تعلق کو بغیر کسی معذرت کے پورے اعتماد کے ساتھ ظاہر کیا۔ اسے برملا اس مملکت کی اساس قرار دیا۔ اس کے بارے میں صاف صاف کہا کہ وہ جس طرح ہماری انفرادی زندگی کا دین ہے، اسی طرح ہماری ریاست کا بھی دین ہے۔ اپنی سربراہی کے پہلے دن سے اس کے نفاذ کے لیے کوشاں ہوئے۔ علماء اور اہلِ دین کے ساتھ بہت عقیدت مندانہ رویہ اختیار کیا۔ ہر قومی اور بین الاقوامی پلیٹ فارم پر، جہاں انہیں موقع ملا، وہ قرآن کی آیات پڑھتے اور اسلام پر اپنے غیر متزلزل یقین کا اظہار کرتے نظر آئے، اور اس ملک میں جہاں اکثر اربابِ سیاست اب بھی اس حماقت میں مبتلا ہیں کہ مذہب انسان کا انفرادی معاملہ ہے اور ریاست کے معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے، وہ ہر جگہ اور ہر موقع پر اس تصور کی بیخ کنی کرتے رہے۔'' صدر صاحب کی وفات کے بعد اب اس ملک کے در و دیوار ان حقائق کا اعتراف

کر رہے ہیں۔'' (ص۔6)

خط کشیدہ جملوں میں موصوف نے صدر ضیاء الحق کے ان الفاظ کا حوالہ دیا ہے کہ اسلام جس طرح ہماری انفرادی زندگی کا دین ہے اسی طرح ہماری ریاست کا بھی دین ہے اور یہ حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے صدر ضیاء الحق کے نقطۂ نظر سے کسی اختلاف کا اظہار نہیں کیا بلکہ کہا کہ ملک کے جوار بابِ سیاست یہ کہتے ہیں کہ مذہب انسان کا انفرادی معاملہ ہے اور ریاست کے معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے، وہ حماقت میں مبتلا ہیں۔ اب ''جوابی بیانیے'' میں موصوف کا یہ کہنا کہ ریاست کا کوئی دین نہیں ہوتا، یہ ان کے نقطۂ نظر میں ایک بڑی تبدیلی ہے اور جب تک وہ نہیں بتاتے کہ اس تبدیلی کی وجوہات یا محرکات کیا ہیں اور یہ ''جدید وحی'' کب اور کیوں نازل ہوئی، بحث کو آگے بڑھانا مفید نہیں ہوگا۔ کیوں سے ہماری مراد سبب (cause) ہے۔ ہم ان کے جواب کے منتظر رہیں گے۔ ویسے ہمیں صرف ایک فیصد امید ہے کہ وہ اپنے ان تجربات اور مشاہدات کو بیان کریں گے جو اس تبدیلی کے محرک ہوئے کیونکہ ''اشراق'' کے مذکورہ مضمون کی وضاحت کرتے ہوئے ان کی یادداشت کی ''ایک اور'' کمزوری واضح ہو جائے گی۔ یہاں یہ عرض کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ یہ نقطۂ نظر میں محض تبدیلی نہیں بلکہ یوٹرن (U-turn) ہے جس کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے:

جو لکھا پڑھا تھا نیاز نے سو وہ صاف دل سے بھلا دیا

جناب جاوید احمد غامدی ''جوابی بیانیے'' میں لکھتے ہیں کہ خلافت کوئی دینی اصطلاح نہیں ہے۔ خلافت دینی اصطلاح ہے یا نہیں، اس سلسلے میں ہم جاوید احمد غامدی صاحب کے جلیل القدر استاذ امام امین احسن اصلاحی اور اُن (غامدی صاحب) کے استاذ الاستاذ امام حمید الدین فراہی کی تحریریں پیش کرتے ہیں۔ ان علماء کا انتخاب ہم نے اس لیے کیا کہ خود غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''حالی غالب کے شاگرد تھے۔ ان کے مرثیے کا اختتام انہوں نے جن شعروں پر کیا ہے، انہیں لوگوں نے اُس زمانے میں حالی کے حسنِ عقیدت پر محمول کیا ہوگا۔ لیکن وقت نے ثابت کر دیا کہ غالب وہی تھا جسے حالی کی آنکھوں نے دیکھا۔ میں نے بھی بہت سے عالم دیکھے، بہتوں کو پڑھا اور بہتوں کو سنا ہے، لیکن امین احسن اور ان کے استاد حمید الدین فراہی کا معاملہ وہی ہے کہ:

غالبِ نکتہ داں سے کیا نسبت
خاک کو آسماں سے کیا نسبت

(مقامات، طبع دوم، ص130۔131)

مولانا امین احسن اصلاحی سورہ آل عمران کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَلتَکُن مِّنکُم اُمَّةٌ یَدعُونَ اِلَی الخیرِ ویامُرُونَ بِالمَعرُوفِ وَینهَونَ عَنِ المُنکرِ وَاُولٰئِکَ هُمُ

الْمُفلِحُونَ o وَلَا تَـكُـونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاختَلَفُوا مِن بَعدِ مَا جَاءَ هُمُ البَيِّنَاتُ وَاُولَئِكَ لَهُم عَذَاب عَظِيم.[آل عمران 104-105]

ترجمہ: اور چاہیے کہ تم میں سے ایک گروہ ایسا ہو جو نیکی کی دعوت دے، معروف کا حکم کرے اور منکر سے روکے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو پراگندہ ہو گئے اور جنہوں نے اختلاف کیا بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح ہدایات آ چکی تھیں اور وہی ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے۔

''خلافت'' کے قیام کا بنیادی مقصد

یہ امت کو اس اہتمام وانتظام کی ہدایت فرمائی گئی ہے جو اعتصام بحبل اللہ پر قائم رہنے اور لوگوں کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے یہ ہدایت ہوئی کہ مسلمان اپنے اندر سے ایک گروہ کو اس کام پر مقرر کریں کہ وہ لوگوں کو نیکی اور بھلائی کی دعوت دے، معروف کا حکم کرے اور منکر سے روکے۔ معروف ومنکر سے مراد شریعت اور سوسائٹی دونوں کے معروفات ومنکرات ہیں اور ان کے لیے امر ونہی کے جو الفاظ استعمال ہوئے ان کا غالب قرینہ یہی ہے کہ یہ کام مجرد وعظ وتلقین ہی سے نہیں انجام دینا ہے، بلکہ اختیار اور قوت سے اس کو نافذ کرنا ہے جو بغیر اس کے ممکن نہیں کہ یہ گروہ امت کی طرف سے سیاسی اقتدار واختیار کا حامل ہو۔ اگر تنہا دعوت وتبلیغ ہی سے یہ کام لینا مدنظر ہوتا تو اس مطلب کو ادا کرنے کے لیے یدعون الی الخیر کے الفاظ کافی تھے یا مرون بالمعروف (الآیہ) کی ضرورت نہیں تھی۔ ہمارے نزدیک اس آیت سے اس امت کے اندر خلافت کے قیام کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی حکم کی تعمیل میں مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پہلا کام جو کیا وہ خلافت علیٰ منہاج النبوت کا قیام تھا،

(تدبر قرآن، جلد دوم، ص، 154۔155، فاران فاؤنڈیشن لاہور)

مولانا امین احسن اصلاحی اپنی ایک اور تالیف میں لکھتے ہیں:

''ریاست کا اسلامی تصور اس اصطلاح کے اندر چھپا ہوا ہے جو اسلام نے ریاست کی تعبیر کے لیے اختیار کی ہے۔ اسلامی لٹریچر پر نگاہ رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ اسلام نے اپنے اصولوں پر قائم شدہ سیاسی تنظیم کے لیے ریاست، سلطنت یا حکومت کی اصطلاحیں نہیں اختیار کی ہیں بلکہ خلافت یا امارت یا امامت کی اصطلاحیں اختیار کی ہیں۔''

(اسلامی ریاست، ص 8، شائع کردہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور)

غامدی صاحب اگر اس کتاب کے شروع کے صرف پندرہ صفحات ہی پڑھ لیں تو وہ ان کے لیے چشم کشا ثابت ہوں گے اور خلافت کے دینی اصطلاح ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں ان کی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔

مولانا حمید الدین فراہی نے سورۂ والعصر کی تفسیر میں ایک عنوان قائم کیا ہے: ''لفظ وتواصوا سے خلافت کا وجوب''۔ اس سورۃ کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا نے سورۂ آل عمران کی حسب ذیل آیت کا حوالہ دیا ہے:

كُنتم خَيرَ اُمّةٍ اُخرِجَت لِلنّاسِ تَامُرُونَ بِالمَعرُوفِ وَتَنهَونَ عَنِ المُنكَرِ وَتُؤمِنُونَ بِاللّه. [آل عمران :110]

(ترجمہ) ''.....تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی ہدایت کے لیے اٹھائے گئے ہو۔ تم نیکی کا حکم دو گے، برائی سے روکو گے، اللہ پر ایمان لاؤ گے۔'' (آل عمران:110)

[مولانا لکھتے ہیں]، اس آیت سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس امت کے اہم فرائض میں سے ہے، چنانچہ اس کے متعلق دوسری آیات بھی وارد ہیں۔ لیکن یہ امر واضح ہے کہ اس کی اصلی ذمہ داری، جیسا کہ ولتکن منکم امة سے متبادر ہوتا ہے، امت کے لیڈروں پر ہے۔ البتہ تواصی ایک فرضِ عام ہے جس میں تمام مسلمان برابر کے شریک ہیں۔

اس سے معاملے کی اصل حقیقت سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ عملِ صالح کریں، پھر ادائے حقوق کے معاملے میں ایک دوسرے کی مدد کریں، اور چونکہ ادائے حقوق بغیر خلافت وسیاست کے ناممکن ہے، اس لیے ضروری ہے کہ خلافت قائم کریں۔''

(مجموعہ تفاسیر فراہی، ص343۔344، فاران فاؤنڈیشن، لاہور)

اب ہم ''جوابی بیانیے'' کے نکتہ نمبر 4 پر اپنے معروضات پیش کرتے ہیں۔ غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''دنیا میں جو لوگ مسلمان ہیں اور اپنے مسلمان ہونے کا اقرار بلکہ اس پر اصرار کرتے ہیں، مگر کوئی ایسا عقیدہ یا عمل اختیار کر لیتے ہیں جسے کوئی عالم یا علما یا دوسرے تمام مسلمان صحیح نہیں سمجھتے، ان کے اس عقیدے یا عمل کو غلط قرار دیا جا سکتا ہے، اسے ضلالت اور گمراہی بھی کہا جا سکتا ہے، لیکن اس کے حاملین چونکہ قرآن وحدیث ہی سے استدلال کر رہے ہوتے ہیں، اس لیے انہیں غیر مسلم یا کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس طرح کے عقائد واعمال کے بارے میں خدا کا فیصلہ کیا ہے، اس کے لیے قیامت کا انتظار کرنا چاہیے۔ دنیا میں ان کے حاملین اپنے اقرار کے مطابق مسلمان ہیں، مسلمان سمجھے جائیں گے، اور ان کے ساتھ تمام معاملات اسی طرح ہوں گے جس طرح مسلمانوں کی جماعت کے ایک فرد کے ساتھ کیے جاتے ہیں۔'' (ماہنامہ اشراق، فروری 2015ء، ص22)

غامدی صاحب کے اس کلیّے کے مطابق جناب غلام احمد پرویز اور ان کے متبعین اور مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے متبعین (جنہیں احمدی یا قادیانی کہا جاتا ہے) کو غیر مسلم یا کافر قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ یہ دونوں گروہ اپنے مسلمان ہونے پر اصرار کرتے ہیں اور قرآن اور حدیث ہی سے استدلال کرتے ہیں۔ اگرچہ جناب غلام احمد پرویز کو منکرِ حدیث اور منکرِ سنت کہا جاتا ہے لیکن وہ بھی اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں بعض احادیث پیش کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ ایسا کرتے ہوئے وہ ان احادیث کو سیاق وسباق سے الگ کر دیتے ہیں۔ مثلاً درج ذیل حدیث:

عن ابی سعید الخدری، ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا تکتبو عنی، ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ، وحدثوا عنی، ولا حرج. (صحیح مسلم)

''ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے کچھ نہ لکھو، اور جس نے مجھ سے قرآن کے سوا کچھ اور لکھا تو اس کو چاہیے کہ وہ اسے مٹادے۔ اور مجھ سے روایت کرو، کہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔'' (صحیح مسلم)

کا حوالہ دیتے وقت وہ صرف شروع کا حصہ یعنی ''ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے کچھ نہ لکھو اور جس نے مجھ سے قرآن کے سوا کچھ اور لکھا تو اس کو چاہیے کہ اسے مٹادے'' بیان کرتے ہیں اور بقیہ حصہ ''اور مجھ سے روایت کرو کہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں'' چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ اور اس طرح کی دوسری احادیث کا محل کیا ہے، اس سلسلے میں قارئین علما کی وہ کتابیں ملاحظہ فرمائیں جن میں حجیتِ حدیث سے بحث کی گئی ہے۔ بہرحال مندرجہ بالا حدیث کی جامع اور مختصر توضیح امام نووی نے اپنی شرح مسلم میں کی ہے۔

پرویز صاحب کے عقائد اور افکار کے بارے میں غامدی صاحب کے کلیّے یا ''جوابی بیانیے'' کے نکتہ نمبر 4 کا اطلاق ان کے رفقا کس طرح کرتے ہیں اس سلسلے میں ماہنامہ اشراق، اکتوبر 2008ء کا حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ غامدی صاحب کے ادارے ''المورد'' کے رکن محمد رفیع مفتی کے بقول ادارے کے اسکالرز خطوط اور ای میلز کے ذریعے موصول شدہ دینی موضوعات پر جن سوالوں کے جواب دیتے ہیں ان میں منتخب سوالات وجوابات کو افادۂ عام کے لیے **یسئلون** کے عنوان کے تحت ''اشراق'' میں شائع کیا جاتا ہے۔ اب ''قرآن فہمی کے متعلق اختلافِ رائے'' کے زیرعنوان مندرجہ ذیل سوال اور اس کا جواب ملاحظہ فرمائیے:

سوال: جاوید احمد صاحب غامدی علامہ پرویز صاحب کی قرآن فہمی سے کس حد تک متفق ہیں؟ علمائے کرام نے پرویز صاحب پر کفر کے بہت فتوے لگائے، غامدی صاحب کی پرویز صاحب کے بارے میں کیا رائے ہے، کیا وہ صحیح تھے یا غلط؟ (صفدر اقبال)

جواب: معاملہ یہ ہے کہ غامدی صاحب اور پرویز صاحب کی قرآن فہمی میں کوئی اتفاق نہیں ہے۔ ان دونوں حضرات کے قرآن فہمی کے اصولوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ غامدی صاحب نے اپنے قرآن فہمی کے اصولوں کو اپنی کتاب ''اصول ومبادی'' میں ''مبادی تدبر قرآن'' کے عنوان کے تحت تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے، انہیں آپ وہاں دیکھ سکتے ہیں، اور پرویز صاحب نے اپنی تفسیر ''مفہوم القرآن'' کی ابتدا میں اپنے اصولوں کو بیان کیا ہے۔ ان دونوں حضرات کے اصولوں میں پائے جانے والے ایک بنیادی فرق کو میں یہاں بیان کر دیتا ہوں۔

غامدی صاحب کے نزدیک قرآن فہمی کے لیے ضروری ہے کہ قرآن کے الفاظ کے وہی معنی لیے جائیں جو نزولِ

قرآن کے زمانے میں عربوں میں مستعمل تھے۔ جبکہ پرویز صاحب کے نزدیک کسی لفظ کے معنی اس کے مادے (root) سے طے کیے جائیں گے۔

تفصیل کے لیے آپ ان دونوں حضرات کی قرآن فہمی سے متعلق کتب کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

ہمارے نزدیک کسی پر کفر کا فتویٰ لگانا درست نہیں۔ ہم دوسرے کی آرا سے اختلاف کر سکتے ہیں، ان کے خیالات کو غلط قرار دے سکتے ہیں، لیکن کسی کو کافر کہنے کا حق ہمیں حاصل نہیں۔ ہمارے نزدیک دین کے معاملے میں پرویز صاحب کی کئی آرا یکسر غلط تھیں۔ (اشراق، اکتوبر 2008ء، ص 67)

جواب کی آخری تین سطور خصوصی توجہ کی مستحق ہیں جن میں کہا گیا ہے ''ہمارے نزدیک کسی پر کفر کا فتویٰ لگانا درست نہیں۔ ہم دوسرے کی آرا سے اختلاف کر سکتے ہیں، اس کے خیالات کو غلط قرار دے سکتے ہیں، لیکن کسی کو کافر کہنے کا حق ہمیں حاصل نہیں۔''

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مسئلہ تکفیر اور پرویز صاحب کی تکفیر کے فتوے کے بارے میں امام امین احسن اصلاحی کے نقطۂ نظر سے بھی آگاہی حاصل کی جائے۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ 1960ء کی دہائی کے اوائل میں پاکستان کے تقریباً ایک ہزار علما نے جناب غلام احمد پرویز کو اُن کے عقائد کی بنا پر کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا تھا۔ ان علما کا تعلق دیوبندی، بریلوی، اہلِ حدیث اور شیعہ مکاتب فکر سے تھا۔ فتوے کی اشاعت کے بعد مولانا امین احسن اصلاحی کو پرویز صاحب کے ایک سرگرم حامی کی طرف سے ایک خط موصول ہوا جس میں بقول مولانا پہلے تو اُن علما پر بڑی لے دے کی گئی تھی جنہوں نے پرویز صاحب پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا، پھر مولانا سے پُرزور مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ پوری ایمان داری کے ساتھ اس فتوے پر اپنی رائے ظاہر کریں۔ اس خط کے علاوہ مولانا کو ''کافرگری'' کے عنوان سے خود پرویز صاحب کی طرف سے بھی ایک پمفلٹ موصول ہوا۔ اس تناظر میں مولانا اصلاحی ماہنامہ ''میثاق'' لاہور (مئی 1962ء) کے اداریے میں لکھتے ہیں:

''[پرویز صاحب اور ان کے حامی] یہ مؤقف اختیار نہ کریں کہ علما کو کسی پر کفر کا فتویٰ لگانے کا حق نہیں ہے۔ اس امر میں تو کوئی شبہ نہیں کہ اسلامی نظام میں کسی کے کفر و ارتداد پر اس کو سزا دینا حکومت کا کام ہے، لیکن یہ بتانا کہ کیا چیز کفر ہے اور کیا چیز اسلام ہے، ہر حال میں علما ہی کی ذمہ داری ہے۔ یہ ذمہ داری ان پر اللہ۔ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ڈالی گئی ہے۔ اگر وہ اس کو ادا نہ کریں گے تو اس کے لیے وہ عنداللہ ذمہ دار ٹھیریں گے۔ یہ ذمہ داری یوں تو ان پر ہمیشہ رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی، لیکن خاص طور پر اس زمانے میں تو اس کے تنہا حامل وہی ہیں، اس لیے کہ اس دور میں مسلمان حکومتوں کو لوگوں کے کفر و ایمان کے معاملے سے کوئی تعلق باقی ہی نہیں رہ گیا ہے۔ وہ یا تو سیکولرزم کے پردے میں غیر جانبدار بن کر بیٹھ گئی ہیں یا پھر مغربیت کے زیر اثر آزادی و بے قیدی کی سرپرستی کر رہی ہیں۔ ایسی صورت میں اگر

علما بھی لوگوں کی ہدایت وضلالت کے معاملے سے بالکل بے تعلق ہو کر بیٹھ جائیں تو اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا نکلے گا کہ نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت شیطان اور اس کی ذریات کی صرف ایک چراگاہ بن کر رہ جائے۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ اس فتوے کے جواب میں تاویل بازی اور مغالطہ انگیزی کی جو روش اختیار کی گئی ہے یہ بالکل غلط ہے۔ علما نے جو فتویٰ دیا ہے وہ پرویز صاحب کی کسی مبہم عبارت یا کسی معلّق تحریر یا مجمل قول پر مبنی نہیں ہے کہ اس کی توضیح وتشریح کی ضرورت پیش آئے۔ یہ فتویٰ پرویز صاحب کے ایسے عقائد ونظریات پر مبنی ہے جن کو وہ ایک مدت دراز سے بیان کر رہے ہیں۔

پرویز صاحب نے مختلف گروہوں کے علما کے ایک دوسرے کے خلاف فتووں کا جو ریکارڈ شائع کیا ہے، یہ بھی ان کے حق میں کچھ سودمند نہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ مختلف مسلکوں کے غالی مولویوں نے گروہی تعصّبات ونزاعات کے جوش میں ایک دوسرے کے خلاف فتوے دے ڈالے ہیں، لیکن اس سے اُس فتوے کی اہمیت ذرا کم نہیں ہوتی جو انہوں نے پرویز صاحب کے خلاف دیا ہے۔ کچھ بریلویوں کا دیوبندیوں کے خلاف یا کچھ دیوبندیوں کا بریلویوں کے خلاف کوئی فتوے دے دینا الگ چیز ہے اور کم وبیش ایک ہزار علما کا جن میں مسلمانوں کے ہر مسلکِ فقہی وکلامی کے علما شامل ہیں، پرویز صاحب کے کفر پر اجماع کر لینا ایک مختلف چیز ہے۔ اس قسم کا اجماع قادیانیوں کے سوا کسی کے کفر پر بھی اس ملک میں نہیں ہوا ہے۔

آخر میں ہم یہ بات بھی واضح کیے دیتے ہیں کہ پاک وہند کے جن علما کے اس فتوے پر دستخط ثبت نہیں ہیں، ان کو اس فتوے سے الگ خیال کرنا محض ایک مغالطہ ہے۔ اگر کچھ لوگوں نے اس پر دستخط نہیں کیے ہیں تو اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ فتووں پر دستخط کرنا ان کے رجحانِ طبیعت اور ذوق کے خلاف ہے، یا یہ ہے کہ اس دور میں اس چیز کو وہ کچھ زیادہ مفید نہیں پا رہے ہیں۔ میرے جیسے لوگوں کے لیے یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ فتوے لکھنا یا اس پر دستخط کرنا میں نے اپنے منصب سے ہمیشہ ایک اونچی چیز سمجھا ہے، لیکن یہ بات کہنے میں مجھے ذرا حجاب نہیں کہ پرویز صاحب کے خیالات و عقائد کو میں نے ہمیشہ کفر وضلالت سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے کہ وہ زندگی کا صحیح رخ اختیار کریں اور دین سے ناواقفوں کے لیے فتنہ نہ بنیں۔'' (ص5'6'9)

اب ہم ''جوابی بیانیے'' کے نکتہ نمبر 4 کی طرف دوبارہ رجوع کرتے ہیں۔ جیسا کہ عرض کیا گیا غامدی صاحب ''بیانیے'' میں یہ کہتے ہیں کہ ''دنیا میں جو لوگ مسلمان ہیں، اپنے مسلمان ہونے کا اقرار بلکہ اس پر اصرار کرتے ہیں، مگر کوئی ایسا عقیدہ یا عمل اختیار کر لیتے ہیں جسے کوئی عالم یا علما یا دوسرے تمام مسلمان صحیح نہیں سمجھتے، ان کے اس عقیدے یا عمل کو غلط قرار دیا جا سکتا ہے، اسے ضلالت اور گمراہی بھی کہا جا سکتا ہے، لیکن چونکہ اس کے حاملین قرآن وحدیث ہی سے استدلال کر رہے ہوتے ہیں اس لیے انہیں غیر مسلم یا کافر قرار نہیں دیا جا سکتا''۔ ہمارا معروضہ یہ ہے کہ اس استدلال کی رو سے احمدیوں یا

قادیانیوں کو بھی غیر مسلم یا کافر قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ وہ بھی اپنے مسلمان ہونے کا اقرار، بلکہ اس پر اصرار کرتے ہیں اور قرآن وحدیث سے ہی اپنے مؤقف کے حق میں دلائل دیتے ہیں۔ بانی تحریکِ احمدیت مرزا غلام احمد قادیانی قرآن مجید کی آیہ خاتم النبیین کی ایسی تعبیر کرتے ہیں جس سے اجرائے نبوت ثابت ہوتی ہے، جب کہ عام مسلمان اجرائے نبوت کو کفر سمجھتے ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ نبوت کے پیش نظر پاکستان کی قومی اسمبلی نے 7 ستمبر 1974ء کو ایک آئینی ترمیم کے ذریعے مرزا صاحب کے متبعین کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ اب غامدی صاحب کے ''جوابی بیانیے'' نے ایک نئی بحث کا دروازہ کھول دیا ہے۔ لبرل اور سیکولر حلقے اور بائیں بازو کے بعض رہنما اور دانشور مثلاً نیشنل عوامی پارٹی کے سابق سیکرٹری جنرل قسور گردیزی، پارٹی کے ایک رہنما شیر محمد مری المعروف جنرل شیروف، پاکستان ورکرز پارٹی کے رہنما عابد حسن منٹو، پاکستان ہیومن رائٹس کمیشن کے ڈائریکٹر ورکشاپ جناب حسین نقی، معروف ادیبہ اور کالم نگار محترمہ زاہدہ حنا پہلے ہی 7 ستمبر 1974ء کی آئینی ترمیم یا 1984ء کے امتناع قادیانیت آرڈیننس پر نکتہ چینی کر چکے ہیں، اب غامدی صاحب کے ''بیانیے'' کی بنیاد پر اس آئینی ترمیم کو چیلنج کیا جا سکتا ہے۔

7 ستمبر 1974ء کی آئینی ترمیم کو چیلنج کرنے کی راہ جناب جاوید غامدی غیر شعوری طور پر پہلے ہی ہموار کر چکے ہیں۔ ہم نے ''غیر شعوری'' اس لیے کہا کہ ہمیں ان کی نیت پر کوئی شبہ نہیں ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ان کی ویب سائٹ www.javedahmadghamidi.com پر ان کے ایک لیکچر کی وڈیو بعنوان Ghamidi on Ahmadiyya Prophethood claim موجود ہے جس میں انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ نبوت اور تحریکِ احمدیت پر گفتگو کی ہے۔ ہم نے جب اس لیکچر کو transcribe کرنے کا ارادہ کیا تو ایک دشواری پیش آئی کہ لیکچر کے دوران جب کوئی سامع سوال کرتا تھا تو غامدی صاحب اسی وقت اس کا جواب دیتے تھے۔ اتفاق سے سوالات انتہائی low volume میں ریکارڈ ہوئے ہیں اور تقریباً ناقابلِ فہم ہیں۔ اس طرح لیکچر کا ربط متاثر ہوتا ہے۔ ہم نے غامدی صاحب کے چند لیکچرز میں شرکت کی ہے، ان کے آڈیو کیسٹس بھی سنے ہیں، ایک کیسٹ کو transcribe بھی کیا ہے۔ وڈیو کیسٹس بھی دیکھے ہیں۔ ان لیکچرز میں جو روانی ہے ہمیں اس وڈیو میں مفقود نظر آئی۔ اس میں جملوں کی ساخت اور الفاظ کی تقدیم اور تاخیر میں الجھاؤ ہے۔ ان وجوہات کے پیش نظر مناسب معلوم ہوا کہ اس لیکچر کا خلاصہ پیش کر دیا جائے۔ یہ خلاصہ درج ذیل ہے:

جاوید غامدی صاحب نے کہا: مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بنیادی طور پر صوفی تھے۔ تصوف سے ان کا اشتغال تھا۔ آپ ان کی ابتدائی زندگی پڑھیں تو اوراد، وظائف اور چلّے نظر آئیں گے۔ انہی چیزوں کو وہ بیان کرتے ہیں اور لکھتے بھی ہیں۔ آہستہ آہستہ انہوں نے پھر یہ کہا کہ میں مسیح موعود ہوں۔ پھر انہوں نے کہا میرا مطلب اصطلاحی نبوت نہیں ہے۔ میں تشریعی نبی نہیں ہوں۔ میں بروزی نبی ہوں، میں ظلی نبی ہوں۔ بروزی کا مطلب یہ ہے کہ بس جیسے مجھ پر نبوت کا ایک

سایہ پڑ رہا ہے، یا نبوت کا ایک پرتو میرے اندر آ گیا ہے۔اس طرح کی بہت سی باتیں انہوں نے فرمائیں اور پھر آہستہ آہستہ انہوں نے دبے دبے الفاظ میں ایسی باتیں بھی کہیں جن سے یہ معلوم ہوا کہ وہ اس زمانے کے نبی بنا دیے گئے ہیں۔ لیکن میں آپ سے عرض کروں کہ خود مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی جو تحریریں ہیں، جتنی بھی ہیں، ان میں بالصراحت نبوت کے دعوے کی کوئی تحریر نہیں ہے۔ آپ ان کی تصانیف جو روحانی خزائن کے نام سے مختلف جلدوں میں چھپی ہیں، پڑھیں تو معلوم ہوگا ایسی ہی باتیں ہیں۔یعنی انہوں نے اس بات کے بہت دلائل دیے ہیں کہ نبوت کا مطلب یہ ہے اور الہام جاری رہنا چاہیے، وحی جاری رہنی چاہیے۔ یہ خدا کی نعمت ہے، اس سے محروم کیسے ہوگئے، بنی اسرائیل میں سب لوگوں کو ہوتا تھا۔ محمد رسول اللہ کی امت کیوں محروم کر دی گئی۔اس طرح کے عقلی دلائل انہوں نے دیے۔ پھر الہام، وحی یعنی خدا سے رابطہ، اس کو انہوں نے اسی طرح کی تعبیروں میں بیان کیا جو تمام صوفیانہ تعبیرات ہیں، اور زندگی بھر کرتے رہے۔ اور پھر کسی موقع پر نبی کا لفظ استعمال کیا، تو انہوں نے کہا میرا مطلب یہ ہے، یا میری مراد یہ ہے۔ ختم نبوت کے بارے میں بھی انہوں نے کہا کہ میں اس کا قائل ہوں، لیکن میرا مطلب یہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت سے مراد یہ ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد دو گروہ ہوگئے اور ان کے جو قدیم ترین صحابہ تھے، ان کی اصطلاح کے مطابق، انہوں نے تو یہ کہا کہ ایسا نہیں تھا۔ وہ مجدد تھے۔ یہ جو لاہوری جماعت ہے وہ اسی تعبیر پر وجود میں آئی۔ مرزا بشیر الدین صاحب محمود جوان کے فرزند تھے انہوں نے اصل میں اس کو زیادہ صریح کیا اور کہا کہ نہیں وہ باقاعدہ...... ورنہ معاملہ ٹھیک ہو جاتا، اتنا ہی رہتا جتنا صوفیوں کا ہے۔ انہوں نے اس کو پھر اس منتہائے کمال تک پہنچا دیا۔ جہاں پہ توضیح کی ضرورت نہ رہی۔ پھر وہ [مرزا صاحب] تو اپنی ہی نبوت کی بات کرتے تھے۔ بعد میں جب بحثا بحثی ہوئی، مناظرے ہوئے تو پھر یہ ہوا کہ نہیں نبوت کا دروازہ چوپٹ کھلا ہوا ہے۔کل اور بھی آ جائیں گے۔یعنی معاملہ پھر ذرا مزید آگے بڑھ گیا۔ان کے جو ابتدائی لوگ ہیں، یہ جو لاہوری جماعت کے جتنے لوگ ہیں وہ ان کے بڑے اکابر ہیں، معمولی لوگ نہیں ہیں۔ جہاں تک ان کے پہلے خلیفہ حکیم نورالدین صاحب کا تعلق ہے تو ان کے معاملے میں تو کوئی زیادہ اختلاف نہیں پیدا ہوا۔لیکن ان کے بعد جب خلافت کا معاملہ ہوا تو یہ ساری بحث سامنے آئی۔حکیم نورالدین صاحب کے زمانے میں بھی صورت حال یہ نہیں تھی، اس طرح کی یعنی صورت حال ایسی تھی جیسی میں نے آپ کو سنائی ہے اور زیادہ سے زیادہ بات جو وہ کہتے تھے وہ اسی طرح کی بات تھی جیسے ابن عربی نے کہہ دی۔ نوٹ: احتیاط کے پیش نظر اس تلخیص میں غامدی صاحب کے اکثر اصل جملے شامل کیے گئے ہیں۔

جاری ہے